عزم واستقلال کی معاشرتی اہمیت قرآن وسنت کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

The Social Importance of Stability and Determination (Analytical study in the light of Quran and Sunnah)

Hafiza Urwa Ismail
Lecturer Department of Islamic Studies, Govt Graduate College W Gulshan Colony Faisalabad.
Email: Stonepreety000@gmail.com
Hafiza Amna Waseem
Visiting Lecturer, GC Women University, Faisalabad
Email: amnawaseem2016@gmail.com
Dr. Abbas Ali Raza
Assistant Prof. Faculty of Social Sciences
Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore
Email: abbasaliraza@lgu.edu.pk

Abstract
This analytical study delves into the social importance of stability and determination as emphasized in Islamic teachings, drawing insights from the Quran and Sunnah. Stability and determination are vital attributes that contribute to individual success and societal progress. Through a thorough examination of relevant Quranic verses and Prophetic traditions, this study explores the ethical and behavioural dimensions associated with these qualities. It discusses the role of stability in fostering resilience, consistency, and reliability in personal conduct, relationships, and community affairs. Furthermore, the study highlights the significance of determination in overcoming challenges, pursuing goals with perseverance, and contributing positively to the collective welfare. By analysing Islamic principles and teachings, this study aims to provide valuable insights for individuals and communities seeking to cultivate stability, determination, and societal well-being based on the guidance of the Quran and Sunnah.

Keywords: Determination, Stability, Achievement, Courage, Perseverance, Quran and Sunnah

ابتدائے آفرینش سے ہی رب تعالیٰ نے فطرتِ انسانی کو دین فطرت یعنی اسلام پر تخلیق فرمایا ہے بطن مادر میں جب انسان تخلیق کے مراحل طے کر رہا ہوتا ہے تو اُسی وقت سے ہی انسان کی فطرت میں اس دینِ فطرت کو ودیعت کر دیا جاتا ہے۔ پھر جیسے جیسے انسان دُنیا میں وقت گزارتا ہے تو اپنے معاشرے، خاندان اور ماحول کے زیر اثر کسی نہ کسی

مذہب سے منسلک ہو جاتا ہے۔ اور وہ مذہب دین اسلام بھی ہو سکتا ہے یا اپنی فطرت کے خلاف کسی جھوٹے مذہب سے منسلک ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے فطرتِ انسانی کے متعلق ارشاد فرمایا:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ[1]

"اور اللہ رب العزت کی تخلیق کردہ فطرت (اسلام) ہی ہے جس پر اللہ رب العزت نے تمام انسانوں کی تخلیق فرمائی ہے اور رب تعالیٰ کی تخلیق کردہ (سرشت) میں ہرگز تبدیلی نہیں ہے۔"

جیسا کہ اس آیتِ مبارکہ میں رب تعالیٰ نے فطرتِ انسانی کا تذکرہ کیا ہے کہ انسانی سرشت کو فطرت پر بنایا گیا ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنی تخلیق یعنی انسان کی فطرت میں ازل سے ہی محبت و اخوت، رواداری، صبر اور عزم و استقلال جیسی عظیم صفات ودیعت فرمائی ہیں۔ یوں تو انفرادی طور پر کسی بھی انسان کی تعمیر و ترقی اور اجتماعی طور پر معاشرے کی تشکیل اور فلاح و بہبود کے لیے تمام اخلاقِ فاضلہ کلیدی حیثیت کے حامل ہیں۔ مگر عزم و استقلال وہ خوبی ہے جو انسان کو کامیابی سے ہم کنار کرتی ہے۔ اور اسی خوبی کی وجہ سے انسان اپنے مقصد تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ عزم و استقلال نہ صرف انفرادی زندگی میں انسان کو کامیابی سے ہم کنار کرتا ہے بلکہ قوموں کی اجتماعی زندگی مین بھی فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ اقوام عالم کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجیے وہی قومیں عروج اور بلندی کی مستحق ٹھہریں جنھوں نے عزم اور استقلال کا مظاہرہ کیا۔ اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار کا مطالعہ کریں تو نبی رحمت ﷺ سمیت مسلمانوں نے عزم و ہمت کی داستانیں رقم کیں جن کے نتیجے میں ایک مختصر وقت میں اسلام پورے خطۂ عرب میں پھیل گیا۔ اور مسلمانوں کو ان کے عزم اور عالی ہمت کی وجہ سے اقوام عالم میں نمایاں مقام مل گیا۔ خود نبی رحمت ﷺ نے نامساعد حالات میں پورے عزم کے ساتھ ترویج و اشاعتِ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ ﷺ کے عزم و استقلال اور حوصلہ و ہمت ہی کی وجہ سے تیئس سال کے مختصر عرصہ میں اسلام نہایت تیزی کے ساتھ پھیلا اور ہر آنے والا دن گزرے ہوئے کل سے زیادہ تابناک اور روشن ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کی مکی زندگی تو بے شمار مصیبتوں اور مشکلات سے گھری ہوئی تھی مگر اس سب کے باوجود آپ ﷺ کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی اور آپ ﷺ ان تمام مصائب اور مشکلات کے باوجود عزم صمیم کے ساتھ اپنے مشن کی تکمیل میں مصروفِ کار رہے۔ یہاں تک کہ بالآخر وہ فریضہ مقدس جس کی تکمیل کی خاطر آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا تھا وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ آج ہمارے معاشرے میں دیگر محاسن کی طرح عزم و استقلال جیسے وصف کی کمی بھی دیکھنے میں آتی ہے۔ لوگ حد درجہ جلد باز اور ذرا سی پریشانی سے گھبرا کر دل برداشتہ ہو کر کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے انفرادی و اجتماعی زندگی میں ہمیں مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارے لیے قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں اس حوالے سے رہنمائی کا سامان موجود ہے۔ ہم قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کر کے انفرادی و اجتماعی زندگی میں ترقی و خوشحالی کا انقلاب لا سکتے ہیں۔

عزم کا لغوی واصطلاحی معنی

لفظ "عزم" عربی لغت کا لفظ ہے۔ عزم کا معنی پختہ ارادہ کے ہیں۔ یعنی کسی چیز پر کاربند ہو جانا۔ ڈٹ جانا، پکا ارادہ بنالینا یعنی فیصلہ کن صورتِ حال کو عزم سے تعبیر کرتے ہیں۔

جیسا کہ "مقاييس اللغة" میں ابن فارس لکھتے ہیں:

"ماده ع-ز-م العين و الزاء والميم اصل واحد صحيح يدل على الصريمة والقطع يقال: عزمت أعزم عزما، و يقولون: عزمت عليك الا فعلت كذا اى جعلته امرا عزماً اى لا مثنويه فيه."[2]

"لفظ عزم کی اصل تین حروف ہیں جو کہ صحیح ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ میں نے فیصلہ کیا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے فیصلہ کیا یعنی میں نے بنایا۔ ایک فیصلہ کن معاملہ یعنی اس میں دوئی نہیں ہے۔"

ابن فارس کی تعریف کے مطابق عزم سے مراد اٹل فیصلہ ہے اور ایسا فیصلہ کن معاملہ یا اٹل فیصلہ ہے جس میں دوسری کوئی صورت یارائے نہ ہو، عزم کہلاتا ہے۔ اسی طرح "لسان العرب" میں ابن منظور عزم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"العزم الجد، عزم على الأمر يعزم عزماً و معزماً و معزماً و عُزما و عزيما و عزيمة و عزمة واعتزمه و اعتزم عليه أراد فعله. و قول الكميت و يرمى بها فيصيب النبل حاجة والعزم اصبر فى لغة بذيل يقولون ما لى عنك عزم أى صبر."[3]

"اور لسان العرب میں کہا گیا ہے کہ سنگین عزم۔ معاملات میں۔ عزم۔ عزم کے ساتھ حل کرنا۔ عزم، عزم، عزم، ارادہ اور ہذیل کی زبان میں عزم صبر ہے۔"

مندرجہ بالا دونوں لغات کے مطابق عزم کا لغوی معنی کسی بھی کام کے معاملے میں فیصلہ کن انداز اختیار کرنا یعنی کوئی دوسری بات نہ ہو۔

اصطلاحی تعریف

عزم کی لغوی تعریف بیان کرنے کے بعد اب ہم عزم کی اصطلاحی تعریف کو دیکھتے ہیں۔ علامہ جرجانی عزم کی تعریف لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"العزم جزم الإرادة بغير تردد."[4]

"عزم کا مفہوم ہے کہ پختہ ارادہ بغیر کسی تردد کے۔"

امام راغب اصفہانی عزم کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"العزم والعزيمة عقد القلب على امضاءالأمر."[5]

"عزم اور عزیمت دل کی بات کو پورا کرنے کا فیصلہ کن انداز ہے۔"

علامہ ابن مناویؒ فرماتے ہیں:

"العزم عقد القلب على امضاء الأمر."[6]

"کسی بھی معاملے میں دل کے پختہ ارادے کا نام عزم ہے۔"

علامہ عبد الرحمٰن السعدی لکھتے ہیں:

"العزم ہو قوة الإرادة و جزمہا على الاستمر على أمر الله، والہمة التى لاتنى ولا تفترفى طلب رضوان، و توطين النفس على عدم التقصير فى شيئ من حقوق الله."[7]

"عزم نام ہے قوتِ ارادی کا اور رب تعالیٰ کے احکام کی کامل تعمیل کا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے مشن کا نام ہے۔ اور اپنے نفس کا اطمینان اس بات پر کہ حقوق اللہ میں سے کسی معاملے میں کوتاہی نہیں برتی گئی۔"

عزم کی جدید تعریفات میں سے ایک تعریف علامہ عبد الرحمٰن المیدانی نے کی:

"والعزم: ہو اتجاہ نفسى حازم ذو نسبة عالية فى القدرة على التصدى للعقبات و الصعوبات ومقارعتہا و مغالبتعہا."[8]

"عزم تو ایک مضبوط اور پختہ کیفیت کا نام ہے جس کے ذریعے سے انسان رکاوٹوں اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے۔ اور ان پر قابو پانے کی صلاحیت۔"

ان سابقہ تمام تعریفات کے نتیجے میں جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ عزم ایسی پختہ قوتِ ارادی کا نام ہے جو کسی بھی کام کی تکمیل کا سبب بنتی ہے۔ اور انسان کو مطلوبہ کام کی تکمیل تک جہدِ مسلسل پر اُبھارتی ہے۔

عزم واستقلال اور قرآنی احکامات

یوں تو قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے کتابِ ہدایت ہے۔ مگر بالخصوص اہلِ ایمان کے لیے ایک ایسا قیمتی سرمایہ ہے اور ایک بے نظیر تحفہ ہے اپنے رب کی طرف سے جس کی مثال نہیں ہے۔ قرآنِ مجید ایسی جامع علوم کتاب ہے جو ہر شعبۂ حیات کے متعلق انسان کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ قرآن مجید کا لفظ لفظ حکمت کا ایسا موتی ہے جس میں عرفان کے دریا بہہ رہے ہوتے ہیں۔ قرآنِ مجید جہاں دیگر معاملات میں رہنمائی سرانجام دیتا ہے وہیں پر عزم و استقلال کے حوالے سے بھی اس کی تعلیمات بالکل واضح ہیں۔ قرآن مجید مختلف اسالیب کے ذریعے سے ابن آدم کو عزم اور استقلال کی اہمیت وافادیت بتلاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ١٨٦..[9]

”تمھارے اموال اور تمھاری جانوں کے ذریعے سے تمھاری جانچ کی جائے گی اور لازمی طور پر اپنے
سے پہلے والے اہل کتاب اور مشرکین سے بُرا سنو گے۔ اگر تم صبر کرتے رہے اور اپنے آپ کو بچاتے
رہے تو یہ بڑے عزم (ہمت) والی بات ہے۔“

سورہ آل عمران کی اس آیتِ مبارکہ میں رب تعالیٰ نے آزمائش کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے اہلِ ایمان تمھیں رب تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ اور پھر تمھیں فرائض کی پابندی بھی کرنا پڑے گی۔ ساتھ ہی ساتھ تمھاری آزمائش بھی کی جائے گی۔ زندگی کے کئی معاملات میں نقصان بھی اُٹھانا پڑے گا۔ جان ومال کے نقصانات کے ذریعے سے امتحان لیا جائے گا۔ لہٰذا اے اہلِ ایمان ان سب معاملات کے لیے تیار رہنا۔ کیونکہ امتحان کے ذریعے سے کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ سچے اور جھوٹے میں فرق نمایاں ہوتا ہے۔ اسی طرح دینی معاملات میں تمھیں کفار ومشرکین اور اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھوں طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اے اہلِ ایمان اگر تم نے یہ سب برداشت کرلیا اور ثابت قدم رہے اور پرہیز گار رہے تو یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اور اس پر اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر تیار ہے۔ مگر یہ بڑی ہمت اور حوصلے والا عمل ہے۔ یعنی اس کام کے لیے عزم کی ضرورت ہے۔ یہاں اس آیتِ مبارکہ میں اللہ پاک نے لفظ عزم کو ہمت، بلند حوصلہ اور ثابت قدمی پر محمول فرمایا ہے کہ جو شخص جان ومال کے نقصان کے ذریعے سے آزمایا جائے اور پھر کفار ومشرکین کی جانب سے تکالیف پر بھی صبر اختیار کرتے ہوئے ثابت قدم رہے تو یہ نہایت حوصلہ اور یقیناً بڑی ہمت والا کام ہے۔ اور ایسا شخص اس سارے امتحان میں عزم کے ذریعے ہی سے کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ پر حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ اصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ١ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِۚ١٧ . . [10]

”اے میرے لختِ جگر نماز پڑھو اور اچھی بات کہو اور بُرائی سے منع کرو۔ اور جب تمھارے اوپر
مصیبت آجائے تو پھر صبر سے کام لو۔ بے شک یہ حوصلے اور عزم والے کاموں میں سے ہے۔“

اس آیتِ مبارکہ میں حضرت لقمان علیہ السلام کی اُن پند ونصائح کا ذکر کیا گیا ہے جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کیں کہ اے میرے بیٹے نماز کو قائم کرو کیونکہ نماز ایک کامل ترین عبادت ہے۔ اور بروزِ قیامت سب سے پہلا عمل جس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی وہ نماز ہے۔ نماز کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی اہمیت ومقام ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِی١٤ . . [11]

”اور نماز کو قائم کرو میری یاد کی خاطر۔“

یعنی رب تعالیٰ کی چاہت یہ ہے کہ نماز کے ذریعہ سے اُسے یاد کیا جائے۔ اس لیے نماز اللہ کے ہاں بڑے مقام کی حامل ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے بیٹے کو جو نصیحت کی وہ تھی نیکی اور اچھائی کی تبلیغ کہ دوسروں کو اچھائی اور نیکی کا حکم دو۔ اب قیامت تک کوئی اور پیغمبر نہیں آنے والا اس لیے دینِ اسلام کی تبلیغ کا فریضہ پوری اُمتِ مسلمہ کے ذمہ ہے۔ سو اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نیکی کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ جہاں پر بُرائی کو

دیکھے تو اس کو روکنے کے لیے بھرپور سعی کرے۔ بلکہ حدیثِ مبارکہ میں یہاں تک آیا ہے کہ ہر مسلمان پر لازم ہے اگر وہ بُرائی دیکھے تو اُسے ہاتھ سے روکے اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو پھر زبان سے روکے اور اگر کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو پھر دل میں اُسے بُرا جانے کہ یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔ اس کے بعد حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بیٹا جب تمھیں کوئی مصیبت آئے تو پھر بجائے اس کے کہ شور و غوغا کرتا پھرے، اسے چاہیے کہ صبر سے کام لے۔ کیونکہ دُکھ یا تکلیف بھی من جانب اللہ ہے۔ لہٰذا اس پر صبر سے کام لینا چاہیے۔ اسی طرح جب کوئی مسلمان دینِ اسلام کی تبلیغ کرتا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے راستے میں بے شمار تکالیف اور پریشانیاں آتی ہیں قدم قدم لوگ ایذا دیتے ہیں تو بتایا گیا ہے کہ ان تکالیف اور پریشانیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔ بے شک یہ بڑی ہمت اور عزم و حوصلہ والا کام ہے۔ یعنی دُکھ تکالیف اور پریشانیوں کے باوجود تبلیغِ دین اور امر المعروف و نہی عن المنکر کے مشن سے وابستہ رہنا اور تمام دُکھ، تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا ہی اصل عزم کہلاتا ہے۔ اور یہ ہی بار گاہ خداوندی میں مطلوب ہے کہ میرا بندہ تمام تکالیف و مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہو جائے۔ اور ان تمام دُکھ، تکالیف کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مشن کی تکمیل میں مگن رہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر رب تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی صفاتِ کریمہ اور آپ ﷺ کو عزم کے حوالے سے تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ۚ[12]

"تو اللہ تعالیٰ نے کیسا آپ ﷺ پر فضل کیا کہ اے نبی محترم آپ ﷺ ان لوگوں کے لیے نرم دل واقع ہوئے ہیں اس کے برعکس اگر آپ ﷺ تند خُو یا سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ ﷺ کے گرد اکھٹے نہ ہوتے بلکہ بھاگ جاتے۔ سوا اے نبی محترم ﷺ آپ ﷺ ان کی خطاؤں اور نادانیوں سے درگزر کیا کریں اور ان کی شفاعت کیا کریں اور مختلف اُمور میں ان سے مشورہ کر لیا کریں اور پھر جب کسی کام کا عزم کر لیں تو اپنے رب تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔ بے شک اللہ پر بھروسہ رکھنے والے اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔"

اس آیتِ کریمہ کے آغاز میں اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ پر اپنے فضل اور کرم کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب ہم نے اپنے خاص فضل و کرم سے آپ ﷺ کو رقیق القلب بنایا ہے۔ آپ ﷺ کا اخلاقِ حسنہ سے متصف ہونا اور بالخصوص نرم دل ہونا یہ سب اللہ کا فضل و احسان ہے۔ اور اس قدر نرم دل بنایا کہ طائف والوں نے پتھر مار کر آپ ﷺ کو لہولہان کر دیا مگر پھر بھی بجائے غیظ و غضب کا اظہار کرتے آپ ﷺ نے کمالِ شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف اُنھیں معاف فرمادیا بلکہ اُن کی ہدایت کے لیے دُعا بھی فرمائی کہ اے میرے رب یہ لوگ نہیں جانتے کہ میں کون ہوں۔ اے میرے اللہ ان کے حال پر رحم فرما۔ اور انھیں ہدایت عطا فرما۔ اسی طرح غزوۂ اُحد کے سخت دن کہ جب آپ ﷺ شدید زخمی ہو گئے اور میدانِ جنگ میں ایک بار تو مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے مگر اس سب کے باوجود بھی نبی رحمت ﷺ نے اُن کے لیے بددعا نہ فرمائی۔ آپ ﷺ کا حلم ہمیشہ

آپ ﷺ کے غضب پر غالب رہتا تھا۔ حضرت زید بن سعنہ فرماتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں بھی آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمہ کے بارے میں درج تھا کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غضب پر غالب آنے والا ہے۔ مزید رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب مکرم ﷺ اگر آپ تھوڑا سخت یا ترش رو ہوتے تو یہ لوگ کبھی بھی آپ ﷺ کے گرد جمع نہ ہوتے بلکہ بھاگ کھڑے ہوتے۔ تو لہٰذا آپ ﷺ ان کے ساتھ شفقت والا معاملہ فرماتے رہا کریں۔ اور ان کی خطاؤں سے درگزر کیا کریں اور ان کی شفاعت کے طلبگار رہا کریں۔ اور ان سے مختلف اُمور میں مشاورت بھی کرتے رہا کریں۔ کیونکہ اس سے ان کی دلداری اور عزت افزائی بھی ہوتی رہے گی اور یہ بھی کہ مشورہ کرنا آپ ﷺ کی سنت بن جائے گا اور بعد میں آپ ﷺ کی اُمت اس سے فائدہ اُٹھاتی رہے گی۔ پھر مشاورت کے بعد جب کسی بات پر پختہ ارادہ بن جائے یعنی عزمِ صمیم کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مشکل میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جائے گا اور اُسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اُسے گمان بھی نہ ہوگا اور جو دُنیا پر بھروسہ کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اُسے دُنیا کے سپرد فرما دے گا۔ سو اس آیتِ مبارکہ میں رب تعالیٰ نے نبی رحمت ﷺ کو عزیمت کے متعلق رہنمائی کی ہے کہ اے میرے محبوب جب آپ ﷺ کسی بات کا عزم کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ بے شک جو اللہ پر توکل کرتے ہیں وہ تو اللہ کے محبوب بندے ہیں اور ایک بندہ مومن کی شان ہی یہی ہوتی ہے کہ جب وہ کسی بھی کام کا عزم کرتا ہے تو پھر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کے نتائج اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور رب تعالیٰ اپنے بندوں کو خالی نہیں لوٹاتا۔

عزم کے مطالب و معانی کو بیان کرتے ہوئے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

وَ لَقَدْ عَہِدْنَآ اِلٰٓی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا۱۱۵. . [13]

"اور تحقیق ہم نے اس سے پہلے آدم (علیہ السلام) کو خاص تاکید کے ساتھ حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا۔ اور اُس بھول میں ہم نے اس کے ارادے اور قصد کو نہیں پایا۔"

اس آیتِ مبارکہ میں رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کے گندم کھانے والے واقعہ کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرا دیا تھا اور اُسے کہا کہ جو جی میں آئے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہو۔ مگر خبردار اس درخت کے پھل کو ہرگز نہ کھانا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم یاد نہ رہا اور آپ علیہ السلام ممنوعہ شجر کے پاس چلے گئے۔ مگر اللہ پاک نے اس آیتِ مبارکہ میں اس بات کی بھی وضاحت فرما دی کہ اس جانے میں قصد یا ارادہ نہیں پایا گیا۔ بلکہ میرا نبی بھول کر چلا گیا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کو کھلے اور واضح انداز میں بیان فرما دیا کہ اے لوگو آدم علیہ السلام سے جو خطا ہوئی ہے اس میں اُن کے ارادے کا عمل دخل نہیں ہے بلکہ یہ سب بھول چوک کر اور شیطان کے بہکاوے کی کارستانی ہے۔ اس آیتِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو گناہ بغیر ارادے کے اور بھول چوک کر ہو جائے اس پر عند اللہ کچھ مواخذہ نہیں ہے۔ دوسری بات جو اس سے معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پیغمبر ہیں اور معصوم تھے اور جگہ بھی کیسی کہ جنت یعنی محفوظ ترین مقام مگر پھر بھی شیطان

مردود نے اپنا کام کر دکھایا۔ ہمیں تو حد درجہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے ورنہ ہم کس شمار میں ہیں۔ بہر حال اس آیتِ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے عزم سے مراد دل کے ارادے کو مراد لیا ہے کہ عزم دل کی اُس کیفیت کا نام ہے جو کسی بھی کام کی تکمیل کے لیے درکار ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے لفظ عزما کے ذریعے سے حضرت آدم علیہ السلام کے دل کے ارادے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔ اب ایک اور آیت سے لفظ عزم کے مفہوم کو اخذ کرتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۴۳۔ ۔[14]

"اور بے شک جنھوں نے صبر کا مظاہرہ کیا اور معافی عطا کر دی تو بے شک یہ ضرور عالی حوصلہ اور عزم والے اُمور میں سے ہے۔"

اس آیتِ مبارکہ میں رب تعالیٰ نے اہلِ عزم کی صفات کو بیان کرتے ہوئے پہلی صفت کو بیان فرمایا ہے کہ اہلِ عزم کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ صابر یعنی صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اہلِ صبر کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے رب تعالیٰ نے یہ نوید سنائی کہ اللہ تعالیٰ اہلِ صبر کے ساتھ ہوتا ہے۔ مزید اہلِ عزم کی دوسری خوبی یہ بیان فرمائی کہ وہ معاف کر دینے والے ہوتے ہیں۔ دوسروں کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں۔

دوسروں کو معاف کر دینے کا عمل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت محبوب اور پسندیدہ ہے اور صفت رب تعالیٰ کی صفت خاص ہے۔ یعنی رب تعالیٰ تو ہر وقت اپنے بندوں کو معاف کر دینے پر مُصر ہے۔ اِلّا یہ کہ کوئی شخص خود ہی بار بار نافرمانی کا ارتکاب کر کے معافی نہ لینا چاہے و گرنہ ذاتِ باری تعالیٰ تو ہر لحظہ اس انتظار میں ہوتی ہے کہ کوئی مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے تو میں اپنے بندے کو معاف کر دوں۔ جس طرح رب تعالیٰ کو خود معاف کرنا بہت زیادہ پسند ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یہ عمل بھی بہت زیادہ محبوب ہے کہ اس کے بندے ایک دوسرے کو بھی اللہ کی رضا کے لیے معاف کر دیا کریں۔ آخر میں ارشاد فرمایا کہ جو اہلِ عزیمت ہیں اُن کی یہ شان ہے کہ وہ اس قدر ہمت والے اور عالی حوصلہ ہوتے ہیں کہ نہ صرف خود دوسروں کی طرف سے دی گئی تکالیف اور مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو فراخ دلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے معاف بھی کر دیتے ہیں۔ اس آیتِ مبارکہ میں بھی عزم کا معنی بلند حوصلہ و عالی ظرف اور پختہ ارادے کے طور پر بیان ہوا ہے۔ اسی طرح ایک اور آیتِ مبارکہ میں رب تعالیٰ نے اولو العزم پیغمبروں کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عزیمت اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ[15]

"پس اے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبر سے کام لیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے والے اولو االعزم رسولوں نے کیا۔ اور ان (کافروں) کے لیے جلد بازی نہ کریں۔ جس دن وہ (کافر) اس چیز کو دیکھ لیں گے جس

کی وعید ان کو سنائی جاتی تھی تو یہ آخرت کے دوام کے سامنے دُنیاوی زندگی کو ایک گھڑی بھر کا ٹھہرنا سمجھیں گے۔ بلاشبہ یہ تو تبلیغ ہے اور گستاخ و نافرمان لوگوں ہی کے لیے ہلاکت ہے۔"

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کو صبر کرنے کی تلقین فرمائی۔ قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے بار بار اپنے بندوں کو صبر کی تلقین فرمائی ہے۔ نہ صرف تلقین بلکہ صبر پر اجر کا وعدہ بھی فرمایا ہے اور اس سے بڑا اجر اور کیا ہو سکتا ہے کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے اہل ایمان صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے یعنی جو صبر کرتا ہے اُسے رب تعالیٰ کی معیت اور ساتھ نصیب ہو جاتا ہے اور جس شخص کو رب تعالیٰ کا ساتھ اور معیت نصیب ہو جائے تو اس کے لیے وہ مصیبت یا تکلیف کہاں تکلیف رہتی ہے۔ یوں تو تمام گروہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام ہی عالی حوصلہ و ہمت اور بلند مقام کے حامل ہیں۔ اور سبھی نے تبلیغ و راہ حق میں پیش آمدہ تکالیف پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا ہے مگر پانچ رسول ایسے ہیں جنھیں اولوالعزم پیغمبر کہا جاتا ہے جن میں ایک تو نبی مکرم ﷺ، دوسرے نمبر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور نوح علیہ السلام شامل ہیں۔ آپ ﷺ کو بھی اپنے سے سابقہ اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

یہاں اس مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ میں بھی رب تعالیٰ نے لفظ اولوالعزم سے مراد پختہ ارادے والے رسول جنھیں راہ حق میں درپیش کوئی مصیبت یا تکلیف اُن کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔ سو اس آیتِ مقدسہ میں رب تعالیٰ کی مراد پختہ ارادے یا عزم والے پیغمبر ہیں۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عزم و استقلال اس خوبی کا نام ہے جو انسان کو کسی بھی کام کی تکمیل کے سلسلے میں درپیش تکالیف اور مصائب کے مقابلے میں ثابت قدم رکھتی ہے۔

عزم و استقلال اور سیرتِ مصطفیٰ ﷺ

عزم و استقلال وہ وصف ہے جو انسان کو درجہ کمال تک پہنچاتا ہے۔ اور اگر اس وصف کا کمال دیکھنا ہو تو ذاتِ مصطفیٰ ﷺ اس وصف کا کامل ترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی عزم و استقلال کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے پورے عزم کے ساتھ تیئس سال میں جس طرح دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا اور اس دوران پیش آمدہ حالات اور سختیوں کا جس استقلال اور جواں مردی سے مقابلہ کیا اس کی مثال ممکن نہیں۔ یہ آپ ﷺ کے عزم و استقلال اور عالی ہمت کا ہی نتیجہ تھا کہ تیئس سال کے قلیل عرصے میں ہر طرف اسلام کی روشنی پھیل گئی۔ آپ ﷺ نے ان تیئس سالوں کو اس قدر استقامت اور عزم سے گزارا کہ ہر آنے والا دن گزرے ہوئے کل سے زیادہ روشن ہوتا تھا۔ نبی رحمت ﷺ نے جس طرح ایک غیر مہذب سماج کو تہذیب و تمدن اور اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار سے مزین کیا۔ اور جنگ و جدل کے خوگر معاشرے کو امن کے گہوارے میں تبدیل کیا یہ حقیقتاً بڑے عزم اور استقلال کی بات ہے۔ حقیقت میں یہ انقلاب جو آپ ﷺ نے اس معاشرے میں برپا کیا اس قدر آسان نہ تھا۔ یہ آپ ﷺ کے عزم و استقلال اور استقامت کا مرہونِ منت ہے۔ آپ ﷺ نے جیسے ہی مشرکین مکہ کو خدائے وحدہ

لاشریک کی عبادت کی دعوت دی تو اہل مکہ آپ ﷺ کے مخالف ہوگئے بلکہ نہ صرف مخالف ہوئے بلکہ آپ ﷺ کی جان کے دشمن بن گئے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف استقامت بلکہ پورے عزم کے ساتھ کفار کی طرف سے ملنے والی تکلیفوں اور ایذاؤں کو برداشت کرتے ہوئے دین متین کی تبلیغ واشاعت کا کام برابر جاری رکھا۔ بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک بھی آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دین کے معاملے میں جس قدر میں ستایا گیا ہوں کوئی اور پیغمبر اس قدر نہیں ستایا گیا۔ جیسا کہ حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

((عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہ صَلَّى اللَّہ عَلَيہ وَسَلَّمَ: لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللہ وَمَا يخَافُ أَحَدٌ.))[16]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے رب تعالی کے راستے میں اس وقت ڈرایا دھمکایا گیا جب کوئی دوسرا نہ تھا جسے دھمکایا اور ڈرایا جاتا۔ اور مجھے ایسے وقت میں ستایا گیا جب کوئی دوسرا نہ تھا کہ جسے تنگ کیا جاتا۔ اور ایک ماہ ایسا گزرا ہے مجھ پر کہ میرے اور بلال کے پاس ایسا کچھ بھی نہ تھا کھانے کو جسے کوئی جاندار کھاتا ہو سوائے اس کے جو بلال اپنے پہلو میں چھپا کر رکھتے۔“

اس حدیثِ مبارکہ میں نبی رحمت ﷺ نے ان مشکلات اور تکالیف کا ذکر فرمایا ہے جن کا سامنا آپ ﷺ کو دین اسلام کی تبلیغ وترویج کے درمیان اُٹھانا پڑیں۔ دعوت اسلام کے آغاز سے ہی آپ ﷺ کو مختلف تکالیف اور ایذا رسانی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس حدیثِ مبارکہ میں نبی رحمت ﷺ نے اس کیفیت کو بیان فرمایا ہے جو اُس دوران آپ ﷺ کو پیش آئی تھی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں دین کے معاملے میں اس وقت ستایا گیا ہوں جب کوئی اور نہ تھا یعنی آغازِ اسلام میں جب ابھی مسلمانوں کی اتنی زیادہ تعداد نہ تھی۔ اس وقت فقط آپ ﷺ کی ہی ذاتِ مبارکہ تھی جس نے کفار کی مخالفت کو برداشت کیا کیونکہ اس وقت ابھی اور لوگ مسلمان نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے سب کی نفرت اور دشمنی کا رخ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ ہی کی طرف ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ فرماتے ہین مجھے اس وقت ڈرایا گیا جب کوئی اور نہ تھا یعنی آغازِ اسلام میں جب کوئی اور مسلمان نہیں تھا لا محالہ مخالفت اور دشمنی کا رُخ نبی کریم ﷺ کی طرف ہو گیا۔ اور فقط بات یہاں تک نہ رہی بلکہ اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کو فاقوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ﷺ بھوک اور پیاس کے ساتھ بھی آزمائے گئے۔ خود نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں کہ تیس تیس دن اور اسی طرح تیس تیس راتیں ہم پر ایسی بھی گزری ہیں کہ ہمارے پاس ایسا کچھ نہ ہوتا تھا جسے کھایا جاسکتا ہو۔ سوائے اُس چیز کے جسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی بغل میں چھپا کر رکھتے تھے اس قدر استقامت اور صبر کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے دعوتِ دین کے فریضے کو سرانجام دیا ہے۔ آج تھوڑی سی تنگی ہمیں اپنے رب سے شکوہ کناں کر دیتی ہے۔ ذراسی تکلیف پر ہمارے صبر کا پیمانہ چھلکنے لگتا ہے۔ مگر نبی رحمت ﷺ نے نہایت عزم اور استقلال کے ساتھ تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا اور کوئی بھی مصیبت آپ ﷺ کے پائے استقامت میں لغزش نہ لا سکی۔ اسی طرح ایک اور حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ پر غزوۂ اُحد والے دن سے

بھی سخت اور بھاری دن کوئی گزرا ہے۔ تو آپ ﷺ نے سفر طائف والے دن کا ذکر فرمایا۔ حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے:

((أَنَّ عَائِشَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْها، زَوْجَ النَّبِي صَلَّى الله عَلَيه وَسَلَّمَ، حَدَّثَتْه أَنَّها قَالَتْ لِلنَّبِي صَلَّى الله عَلَيه وَسَلَّمَ: هَلْ أَتَى عَلَيكَ يوْمٌ كَانَ أَشَدَّ مِنْ يوْمِ أُحُدٍ، قَالَ: لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ مَا لَقِيتُ، وَكَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهمْ يوْمَ العَقَبَةِ.))[17]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ پر غزوۂ اُحد والے دن سے بھی زیادہ کوئی سخت دن گزرا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا میں نے تمھارے قبیلہ قریش کی طرف سے کتنی ہی پریشانیوں کا سامنا کیا ہے، لیکن اس سارے عرصے میں مجھ پر سب سے سخت دن عقبہ کا تھا جب میں نے طائف کے سردار اور اہلِ طائف کو دعوت دین پیش کی تھی۔ انھوں نے میری دعوت کو رد کر دیا تھا۔ میں انتہائی دُکھ کی حالت میں وہاں سے واپس ہوا۔"

اس حدیثِ مبارکہ میں نبی رحمت ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سوال کرتی ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ پر غزوۂ اُحد والے دن سے بھی سخت دن کوئی گزرا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اے عائشہ رضی اللہ عنہا مجھے تمھاری قوم کی طرف سے بے شمار تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے مگر اس سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جس دن میں نے اہلِ طائف کو دعوتِ دین کی غرض سے طائف کا سفر کیا تھا کہ مکہ کے لوگوں نے میرا انکار کیا ہے تو چلو اہلِ طائف کو ہی دعوتِ دین دی جائے مگر وہ اہل مکہ سے بھی زیادہ سخت دل اور گمراہ ثابت ہوئے۔ آپ ﷺ نے اہلِ طائف کے سردار ابن عبد یالیل بن عبد کلال کو دعوتِ دین پیش کی مگر اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ شہر کے اوباش اور غنڈوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا جنھوں نے آپ ﷺ کو پتھر مارے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی ایڑیاں اور پنڈلیاں لہولہان ہو گئیں اور آپ ﷺ کے جوتے مبارک خون سے بھر گئے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو قرن الثعالب میں پہنچ کر افاقہ ہوا۔ وہاں پر بادل نے آپ ﷺ پر سایہ کیا۔ آپ ﷺ نے سر اُٹھایا تو بادل جبرئیل علیہ السلام تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ پہاڑوں کا فرشتہ آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے پھر فرشتے نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور عرض کی کہ آپ ﷺ کے پاس میرے رب نے مجھے بھیجا ہے۔ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو میں ان دو پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں تاکہ اہل طائف بیچ میں پس جائیں اور ان کو ان کے کیے کی سزا مل جائے۔ مگر نبی رحمت ﷺ نے منع فرما دیا اور اہلِ طائف کے حق میں دُعا فرمائی اور فرمایا کہ مجھے اُمید ہے اللہ ان میں سے ایسی نسل کو پیدا فرمائے گا جو وحدہ لاشریک رب کو سجدہ کریں گے اور اُسی کی عبادت کریں گے اور پھر ایسا ہی ہوا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو سخت اذیت دینے والوں کی نسلوں میں سے ایسے لوگوں کو پیدا کیا جو خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے اور کسی کو بھی اللہ کا شریک نہ ٹھہراتے تھے۔ تو یہ سب آپ ﷺ کی عزیمت اور استقلال ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ جو کبھی خدائے واحد کے سامنے جھکنے پر تیار نہ تھے آپ ﷺ کی مسلسل کوشش اور عزمِ صمیم کی وجہ سے بالآخر

وہ خدائے واحد کے سامنے جھک گئے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف خود عزم و استقلال پر چل کر دکھایا بلکہ دوسروں کو اس کی تلقین بھی کی۔ جیسا کہ ایک حدیثِ مبارکہ کے الفاظ ہیں:

((خَيرَ الْأُمُورِ عَوَازِمُها.))[18]

"کاموں میں سے سب سے بہترین اُن کا عزم یعنی پختہ ارادہ کرنا ہے۔"

اس حدیثِ مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے اُمور کے بارے میں ایک حکمت بھری بات ارشاد فرمائی ہے کہ اے لوگو! مختلف اُمور اور کاموں کی انجام دہی کے معاملے میں سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ جو بھی اُمور سرانجام دینے ہوں اُن کے متعلق پختہ اور فیصلہ کن ارادہ ہونا چاہیے۔ دوسرا اس حدیثِ مبارکہ کا یہ بھی مفہوم ہے کہ رب تعالیٰ نے جن اُمور کی انجام دہی انسان کے ذمہ لگائی ہے اسے چاہیے کہ اپنے رب تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کے لیے نہایت اہتمام کے ساتھ اور پختہ ارادے اور عزمِ صمیم کے ساتھ ان اُمور کو سرانجام دے۔ رب تعالیٰ کے ساتھ انسان نے جو عہد کیا ہے اس کی تکمیل اسی صورت میں ہو گی کہ جو فرائض و واجبات انسان کے ذمہ رب تعالیٰ نے لگائے ہیں انھیں عزم و استقلال کے ساتھ سرانجام دے۔ یہ حدیثِ مبارکہ بنیادی و طرپر ایک بندۂ مومن کو رب تعالیٰ کے ساتھ وفاداری اور اس کی فرماں برداری اور رب تعالیٰ کی طرف سے تفویض کردہ فرائض و واجبات کی ادائیگی کے سلسلے میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ جب انسان کسی بھی کام کی ادائیگی کے لیے عزم اور پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو پھر رب تعالیٰ کی مدد اور نصرت بھی اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔

اسی طرح عزم و استقلال کی اہمیت و افادیت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رخصت کو بھی اسی طرح پسند فرماتا ہے جس طرح کہ اپنے عزم (یعنی ارادوں) کی تکمیل کو پسند فرمایا ہے جیسا کہ حدیثِ مبارکہ کے الفاظ ہیں:

((عن بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّه صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّمَ "إِنَّ اللَّهَ يحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخَصُه كَمَا يحب أن تؤتى عزائمه.))[19]

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک رخصتوں کو بھی اُسی طرح پسند فرماتا ہے جس طرح وہ اپنے عزم (ارادوں) کی تکمیل کے پورے ہونے کو پسند فرماتا ہے۔"

اس حدیثِ پاک میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے دو باتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ اولاً رخصتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت کو رخصت پسند ہے۔ یعنی رب تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے آسانی والا معاملہ پسند فرماتا ہے۔ رخصت سے مراد اللہ تعالیٰ نے احکام و عبادات میں لوگوں کے لیے جو تخفیف فرمائی ہے اور یہ رب تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ محبت کا مظہر ہے۔ قرآنِ مجید میں بھی رب تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

يرِيدُ اللہ بِكُمُ الْيسْرَ وَ لَا يرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ [20]

"اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمھارے لیے تنگی نہیں چاہتا۔"

یہ آیتِ مبارکہ بھی سابقہ حدیثِ مبارکہ ہی کے مضمون کو بیان کر رہی ہے کہ رب تعالیٰ تو اپنے بندوں پر آسانی والا معاملہ چاہتا ہے نہ کہ اپنے بندوں پر سختی و تنگی والا معاملہ۔ یعنی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح اللہ تمھارے لیے رخصت کو پسند فرمانے والا ہے اسی طرح اپنے عزائم کی تکمیل کو بھی پسند فرماتا ہے۔ اب رخصت کا تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص مسافر یا بیمار ہے تو روزہ توڑ دے۔ اسی طرح مسافر کے لیے نماز کو مختصر کر دینا اور سردیوں میں موزوں پر مسح وغیرہ اور بھی بہت ساری رخصتیں ہیں جو اللہ پاک نے ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ تو جس طرح اللہ پاک کو یہ رخصتیں محبوب ہیں۔ اسی طرح رب تعالیٰ کو اپنے ارادوں کی تکمیل بھی محبوب و مرغوب ہے۔ بہر حال نبی رحمت ﷺ نے عزم و استقلال کا بے مثال مظاہرہ فرمایا۔ تیئیس سال کے قلیل عرصے میں دینِ اسلام کا جزیرہ عرب میں اس قدر تیزی کے ساتھ پھیل جانا یہ سب آپ ﷺ کی پامردی، عزم و ہمت اسی طرح استقامت و استقلال کا مرہونِ منت ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے نہ صرف عام زندگی میں عزم و ہمت کا مظاہرہ فرمایا بلکہ عین میدانِ کارزار میں بھی نہایت شجاعت اور عزم واستقلال کا مظاہرہ فرمایا۔

کم ہمتی و بزدلی کے نقصانات

جس طرح اعلیٰ اخلاق و اوصاف انسان کو مزین اور منور کرتے ہیں اسی طرح اخلاقِ رذیلہ انسان کی تباہی و بربادی کا سبب بنتے ہیں۔ عزم و استقلال بلاشبہ ایک وصفِ جمیلہ ہے۔ اسی طرح اس کے مقابلے جو خلق رذیلہ ہے اسے بزدلی و کم ہمتی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کم ہمتی اور بزدلی نہ صرف اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے بلکہ دنیاوی معاملات میں بھی کم ہمتی اور بزدلی کو نہایت معیوب تصور کیا جاتا ہے۔ کم ہمت اور بزدل انسان کبھی زندگی میں کامیابی نہیں حاصل کر سکتا۔ کامیابی ہمیشہ انھی کے مقدر اور نصیب میں ہوتی ہے جو لوگ بلند عزائم اور عالی حوصلہ ہوتے ہیں۔ مشکلات اور مصائب کا زندگی میں در آنا دراصل اس بات کی دلیل ہوا کرتی ہے کہ آپ نے کامیابی کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا ہے۔ ناکامی کامیابی کا پہلا زینہ ہوتی ہے۔ سو اس لیے ناکامی سے گھبرا کر اپنے راستوں کو کھوٹا نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اپنی منزل سے دستبردار ہونا چاہیے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس بات کا یقین کامل ہونا چاہیے کہ آپ کا رب ہمیشہ آپ کے ساتھ ہے۔ بزدلی اور کم ہمتی وہ بیماری اور بدبختی ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے خود بھی پناہ مانگی اور دوسروں کو بھی ترغیب دلائی جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يدْعُو بِهِنَّ وَيقُولُهنَّ: اللَّهمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.))[21]

"حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہمیں پانچ باتیں سکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان الفاظ کے ساتھ دُعا مانگتے تھے: اے اللہ میں کنجوسی سے، بزدلی سے،

مجبوری ولاچاری والی عمر تک پہنچنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور دُنیا کے فتنے سے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

اس حدیثِ پاک سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بزدلی و کم ہمتی کس قدر معیوب اور بُرا عمل ہے کہ جس سے نبی کریم ﷺ نے بھی پناہ طلب فرمائی ہے۔ لہٰذا بزدلی و کم ہمتی سے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے ہوئے اور اپنے رب العالمین پر بھروسہ کرتے ہوئے ہمت اور عزم و استقلال سے کام لینا چاہیے کہ یہی بندہ مؤمن کی شان اور عظمت ہے۔

معاشرے میں عزم واستقلال کے فروغ کی چند تدابیر

۱- عزم واستقلال کے متعلق اسلامی تعلیمات بشمول قرآنی احکامات سے لوگوں کو آگاہی مہیا کی جائے۔
۲- سیرتِ طیبہ کے ان پہلوؤں کو عوام الناس کے سامنے اُجاگر کیا جائے جو بالخصوص عزم و استقلال سے متعلق ہیں۔
۳- تاریخ اسلام سے ان سرفروشوں کے تذکروں سے اپنی مجالس کو رونق افروز کیا جائے جنھوں نے عزم و استقلال کی داستانیں رقم کیں۔
۴- لوگوں کو عزم واستقلال کے فوائد و ثمرات اور بزدلی و کم ہمتی کے نقصانات سے آگاہ کیا جائے۔
۵- بچپن سے نوعمر بچوں کی گھٹی میں عزم واستقلال جیسی صفات کو راسخ کرنے کی اجتاعی کوششیں کی جائیں۔

خلاصہ البحث

عزم و استقلال ایک ایسا وصف ہے جو اپنے موصوف کو کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کر دیتا ہے۔ یہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اللہ پاک نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ اقوام عالم کی تاریخ کو اُٹھا کر دیکھ لیں جس قوم نے عزم وہمت اور استقامت کے ساتھ کام کیا اسے کامیابی مل گئی۔ عزم واستقلال انفرادی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی کامیابی کی کنجی ہے۔ ابتدائے اسلام میں نبی رحمت ﷺ نے ایسے عزم و استقلال کا مظاہرہ کیا کہ تیئس سال کے قلیل عرصے میں اسلام پورے جزیرہ عرب میں پھیل گیا۔ آج عزم واستقلال کی جگہ ہماری زندگیوں میں کم ہمتی اور جلد بازی نے لے لی ہے۔ مایوسی اور کم ہمتی نے نہ صرف انفرادی سطح پر ہمیں نقصان پہنچایا ہے بلکہ قوم واجتماعی سطح پر بھی ہمارے زوال کا سبب ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں آج پھر سے سیرتِ طیبہ سے رہنمائی لیتے ہوئے مایوسی اور بزدلی کو ترک کر کے نئے عزم واستقلال کے ساتھ کام کرنا ہو گا تاکہ ہم پھر سے اقوام عالم میں نمایاں مقام حاصل کر سکیں۔ اور دُنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کر سکیں۔

حوالہ جات

1 القرآن،الروم۳۰:۳۰۔
Al-Quran, 30:30.

2 احمد بن فارس، معجم مقاييس اللغة، (بيروت: دار الفكر، ۲۰۰۷م)، ج:۴، ص:۳۰۸.
Ahmed Bin Faris, *Mu'jam Maqayees-ul-Lūghāt,* (Beirut: Dar-ul-Fikar, 2007), vol. 4, p. 308.

3 محمد بن مكرم ابن منظور، لسان العرب، (قاهره: دار المعارف، ۲۰۱۶م)، ج:۸، ص:۲۹۲.
Muhammad bin Mukarram Ibn Manzoor, *Lithan-ul-Arab*, (Cairo: Dar-ul-Muarif, 2016), vol. 8, p. 292.

4 مير شريف الجرجاني، معجم التعريفات (قاهره: دار الفضيلة، س ن)، ص: ۳۰.
Mir Sharif al-Jarjani, *Mu'jam al-Tareefāt*, (Cairo: Dar-ul-Fadheelah, N/A), p. 30.

5 حسين بن محمد الراغب الاصفهاني، المفردات، (بيروت: دارالمعرفة، ۲۰۰۷م)، ص:۳۳۴.
Hussain bin Muhammad al-Raghib al-Isfahani, *Al-Mufaridāt*, (Beirut: Dar-ul-Marifah, 2007), p. 334.

6 عبدالرؤف بن المناوي، التوقيف علي مهمات التعاريف، (قاهره: عالمي الكتب، ۱۹۹۰م)، ص:۵۱۳.
Abdul Rauf bin al-Manavi, *Al-Tauqeef A'la Muh'mat al-Ta'areef,* (Cairo: Aalmi-ul-Kutb, 1990), p. 513.

7 عبدالرحمٰن بن ناصر السعدي، المواهب الربانيه، (رياض: دار الحصارة للنشر والتوزيع، ۲۰۱۱م)، ص: ۱۰۹.
Abdul Rehman bin Nasir al-Sa'di, *Al-Muwahib al-Rabbaniyah*, (Riyadh: Dar-ul-al-Hadharah lil-Nashar wal-Touzeeh, 2011), p. 109.

8 عبدالرحمٰن الميداني، الإخلاق الإسلاميه و أسسها، (دمشق: دارالقلم، ۱۹۹۹م)، ج: ۱، ص:۱۱۳.
Abdul Rehman al-Maidani, *al-Akhlāq al-Islamiyah wa Asas-hā,* (Morocco: Dar-ul-Qalam, 1999), vol. 1, p. 113.

9 القرآن، آل عمران۳:۱۸۶۔
Al-Quran, 3:186.

10 القرآن، لقمان۳۱:۱۷۔
Al-Quran, 31:17.

11 القرآن،طٰہٰ۲۰:۱۴۔
Al-Quran, 20:14.

12 القرآن، آل عمران،۳:۱۵۹۔
Al-Quran, 3:159.

13 القرآن،طٰہٰ۲۰:۱۱۵۔
Al-Quran, 20:115.

14 القرآن،الشوریٰ۴۲:۴۳۔
Al-Quran, 42:43.

15 القرآن،الاحقاف۴۶:۳۵۔
Al-Quran, 46:35.

16 محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، سنن الترمذي، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، رقم الحديث: ۲۴۷۲.
Muhammad bin Esa bin Sāwarāh bin Mūsa bin Dhihāk, al-Tirmidhi, *Sunnan al-Tirmidhi*, Abwab Siffat-tul-al-Qayamah wal Riqaq wal Wir-aa, Raqm al-Hadith: 2472.

17 محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري، صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم: آمين والملائكة في السماء...، رقم الحديث: ٣٢٣١.

Muhammad bin Isma'il Abu Abdullah al-Būkhāri, *Saheeh al-Būkhāri*, Kitab Bid-ul-Khalq, Bab Izā Qal Āhadakum..., Raqm-al-Hadith: 3231.

18 أحمد بن الحسين بن علي بن موسى، أبو بكر البيهقي، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، (بيروت: دار الكتب العلمية، ١٤٠٥هـ)، ج: ٥، ص: ٢٤١.

Ahmed bin Hussain bin Ali bin Musa, Abu Bakr al-Bayhaqi, *Dala'il al-Nubuwwah wa Marifah Āhwāl Sahib al-Shariah,* (Beirut: Dar-ul-Kutb al-Ilmiyah, 1405), vol. 5, p. 241.

19 محمد بن حبان بن أحمد بن حبان، الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، (بيروت: مؤسسة الرسالة، ١٤٠٨هـ/ ١٩٨٨م)، ج: ٢، ص: ٦٩، رقم الحديث: ٣٥٤.

Muhammad bin Habban bin Ahmed bin Habban, *Al-Ihsān fi Taqreeb Saheeh Ibn Habban*, (Beirut: Mus'sah al-Risalah, 1408A.H/1988), vol. 2, p. 69, Raqm-ul-Hadith: 354.

20 القرآن،البقرہ۲:۱۸۵۔

Al-Quran, 2:185.

21 أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي، المجتبى من السنن، (حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية، ١٤٠٦هـ/١٩٨٦م)، ج: ٨، ص: ٢٥٦، رقم الحديث: ٥٤٤٥.

Abu Abdul Rehman Ahmed Bin Shoaib bin Ali al-Kharasani, al-Nisa'i, *Al-Mujtaba min-al-Sunnan*, (Halab: Maktab al-Mutbu'at al-Islamiyah, 1406A.H/1986), vol. 8, p. 256, Raqm-ul-Hadith: 5445.